SEMESTER 3 MA.URDU

CC-10 Unit 2 TANQEED AUR DABISTAN E TANQEED

Presented by. Dr.Shahab Zafar Azmi,Associate Professor

Department of Urdu Patna University.Patna

Mob;8863968168 Email;drshahabzafar.azmi@gmail.com

سبق کے خدوخال

0 مقصد

1 ادب کا تعارف

2 تنقید مفہوم

3 اردو تنقید کا پس منظر

4 جدید اردو تنقید کا ارتقاء

5 تنقیدی دبستان

6 تقابلی تنقید

7 تاثراتی تنقید

8 نفسیاتی تنقید

9 مارکسی تنقید

10 ترقی پسند تنقید

11 تاریخی تنقید

12 تحقیق اور تنقید کا رشتہ

13 تبصرہ اور تنقید میں فرق

14 خلاصہ

15 مشق کے سوالات

16 مزید مطالعہ

0 مقصد

تنقید ادب کی اہم صنف ہے جس کے ذریعہ تخلیق کو جانچنے اور پرکھنے کا کام لیا جاتا ہے گویا ادب سے تنقید کا پرانا اور گہرا رشتہ ہے، مگر ادبی تخلیق کو جانچنے کے کچھ اصول اور طریقہ کار ہیں۔اس اکائی کا مقصد طلبہ کو تنقید کے مفہوم، اردو تنقید کی روایت اور ادب میں اس کی اہمیت وافادیت سے روشناس کرانا ہے

1 ادب کا تعارف

تنقید کی تفہیم سے قبل ادب کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔اس لیے کہ تنقید کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے۔جن میں ایک موضوع ادب ہے۔''ادب'' کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے، ایک بات یاد رکھنی ضروری ہے قدماء کے یہاں ''ادب'' سے مراد صرف شاعری تھی۔قدیم عہد میں شاعری ہی کو ''ادب'' سمجھا جاتا تھا۔''بوطیقا'' (فن شاعری) ارسطو کی مشہور ومعروف تصنیف ہے۔جس میں اس نے رزمیہ المیہ۔اور طربیہ سے بحث کی ہے۔جو ڈراما نگاری سے متعلق ہے۔اس زمانے میں ''شاعری'' کو ڈرامے کی ایک صنف سمجھتے تھے

گب (Gibb) کا بھی یہ خیال ہے کہ ''ادب'' کی ابتداء شاعری سے ہوئی۔دیگر علماء نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔اور کہا ہے کہ زمانی اعتبار سے شاعری کا وجود نثر سے پہلے ہوا۔لیکن نثر سے متعارف ہونے کے بعد، ادب کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوگئی اور آج جب ہم ''ادب'' کہتے ہیں تو اس سے مراد ''نظم ونثر'' ہے

شیخ یونس نے، ''ادب'' کی تشریح کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ وہ غلطیوں سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔اور اس کی تقسیم انھوں نے، دو زمروں میں کی ہے، ایک طبع اور دوسرا کسی طبعی کے بارے میں کہنا ہے کہ قدرت کی جانب سے ودیعت کی ہوئی صفات۔یعنی حلم، کرم وغیرہ اور کسبی یعنی اپنی کوشش سے حاصل کرنا۔ثعالبی نے ادب سے متعلقہ بارہ موضوعات کا ذکر کیا ہے۔جن میں معانی وبیان، انشاء شعر، تاریخ۔علم الخط وغیرہ ہیں۔اور شیخ یونس کی دانست مین صرف کسبی ادب ہی ادب ہے۔پہلی بار ابن خلدون نے علوم لسانیہ کا شمار ادب مین کیا اس سے پہلے۔اس کی اہمیت کا اظہار کے ایک ذریعہ کی حد تک تھی

ادب جب مارکسی نظریے سے متاثر ہوا تو اس کی وسعت اور ہمہ گیری میں مزید اضافہ ہوا۔حسن افادیت، سچائی آزادی، انسان دوستی قوت وحرکت، ان موضوعات کا شمار ادب میں ہونے لگا۔اس طرح دوسرے علوم کا اثر بھی ادب پر ہونے لگا۔ان علوم سے اثر پذیری کی وجہ سے، ادب کی خصوصیات موضوع بحث ہوئیں۔مطبوعہ مواد میں ادبی تخلیقات کے علاوہ تاریخ وتہذیب سے متعلق مواد کے بارے میں غور وخوض کیا گیا۔مطبوعہ مواد کی تخصیص کی گئی۔اقوال زرّیں، ملفوظات اور اشتہارات کی چونکہ وقتی اہمیت ہے۔اس لیے اس کا شمار ادب میں نہیں کیا۔ادب زندگی کا ترجمان اور عکاسی ہے اس میں انسانی جذبات واحساسات، تجربات، مشاہدات اور خیالات کا بحر بے کراں ہے۔

مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنی تصنیف ''تنقیدی دبستان'' میں ادب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان

تحریروں کوادب کہا جاتا ہے۔جن میں معانی کی رفعت وعظمت ہو۔اورجن کا اسلون فنکارانہ حسن کا حامل علاوہ ازیں ان سے کسی عہد کی خصوصیات تمدنی مزاج اورثقافتی اقدار کی نشان دہی ہوتی ہو۔

2 تنقید کالفظ

اردو میں عربی سے آیا ہے عربی میں یہ ''نقد'' و''انتقاد'' کی شکل میں مستعمل ہے۔بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ''تنقید'' کے مفہوم کی وضاحت کے لئے عربی وفارسی تصانیف میں اور بھی کئی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔مثلاً موازنہ،محاکمہ۔اورتفریظ۔لیکن یہ کلی طور پر۔''تنقید'' کے مترادف نہیں ہیں''موازنہ'' کے معنی تقابلی مطالعے کے ہیں۔''محاکمہ'' زیر بحث موضوع کے تعلق سے فیصلہ کرنے کواورتقریظ کسی ادب پارے کی تحسین وتعریف کو کہتے ہیں۔

''تفریظ'' کے بارے میں بعض ناقدین نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ عربی میں یہ لفظ،صرف تعریف وتحسین کے معنوں میں استعمال کیا گیا۔تنقید کا متبادل انگریزی میں criticissm ہے

عموماًلفظ''تنقید'' کی تشریح غلط انداز میں کی گئی۔عام لوگوں نے اسے نکتہ چینی اورعیب جوئی قرار دیا ہے۔لیکن تنقید کا اصلی مفہوم وہ نہیں''تنقید'' دراصل کھوٹے اورکھرے کے فرق کو واضح کرتی ہے۔

انسائکلو پیڈیا امریکانا میں''تنقید'' کے معنی صراحت کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں،''تنقید'' کی پہلی شرط یہ ہے کہ ذاتی بغض وعناد سے پاک ہو۔

نقادکوفن کار سے زیادہ فن پرتوجہ دینی چاہیئے بعض ناقدین نے اس اصول کوفراموش کیااورشخصی اختلافات کی بنیاد پرغلطیوں کا چرچا کیااورخوبیوں سے صرف نظر۔جس کی وجہ سے لوگ نقادوں سے نفرت کرنے لگے

''تنقید'' کا مقصدفن کار کی تضحیک یااس کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ فن پارے کی قدر کا صحیح انداز میں تعین کرنا ہے۔دراصل ہمدردی کے پیرائے میں ادب کی تنقید کی جائے تواس سے۔۔۔تخلیق کارکوفائدہ پہنچتا ہے۔اورقاری کے شعور کی رہنمائی ہوتی ہے۔تمقید کی رہبری کے سبب قاری۔غلط اندازے لگانے سے بچ جاتا ہے۔اوراس کے ذوق سلیم کی آبیاری ہوتی ہے۔

تمام انسان کی تنقیدی بصیرت اورشعور سے بہرہ ورہوتے ہیں۔اس لئے وہ اپنے فن یاادب پارے کی پیش کش سے قبل خوداس کو مختلف طریقوں سے جانچ لیتے ہیں۔اس کی کامیوں کودور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہرفن کار یاتخلیق کار میں تنقیدی شعور موجود ہے۔اوروہی اپنے فن پارے یاادب پارے کا پہلا نقاد ہے۔

ادب ہو یافنون لطیفہ،فن کار یہ چاہتا ہے کہ اس کا فن ایک شاہکار کی صورت میں پیش ہو۔مصوراپنی تصاویر کی نوک پلک درست کرتا ہے۔موسیقاراپنی دھنوں کی لے پرغوروخوض کرتا ہے۔شاعراپنے اشعار کی اصلاح کے تعلق سے غوروفکر کرتا ہے۔بہرحال!سب کاس ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔

''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں''

اس جستجو و تلاش میں، فن کار کا کوئی معاون یا رہبر ہے تو صرف وہ نقاد۔ جو فن کار کو اس کے اپنے فن کی صحیح قدر و قیمت کا احساس دلاتا ہے ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینا یا پسند کے معیار کا احساس ہی تنقید ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی ''جس وقت ادب کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے۔ تنقید وجود میں آتی ہے''

تنقید کی تعریف و تشریح مختلف انداز میں کی گئی ہے بعض نے اسے ''تخلیق ادب'' کہا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ تنقید دراصل ادب میں فلسفیانہ خیالات کی تعبیر ہے۔ ایک اور نقطۂ نظر سے اس کی صراحت کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ فن کا جو نقطۂ نظر ہے۔ جو پیام تخلیق کار عوام کو دینا چاہتا ہے۔ اس کی تشریح، توضیح اور تجزیہ کرنا تنقید کہلاتا ہے یہ تمام نقاط نظر مختلف ہوتے ہوئے بھی اہمیت کے حامل ہیں اس لیئے ان کی تفصیل سے واقفیت ضروری ہے۔ تاکہ تنقید کا صحیح مفہوم ذہن نشیں ہو سکے۔ تنقید نے ''ادبی پرکھ'' کے جو معیار قائم کیے ہیں، ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس انحصار فنی اور جمالیاتی اقدار پر ہوتا ہے۔

تنقید کو نظریاتی اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مدح سرائی، دوسرا تشریح اور تیسرے سے مراد تجزیہ ہے۔

3 اردو تنقید کا پس منظر

ہمارا ادب عربی و فارسی کا خوشہ چیں ہے۔ اس لیے ان ادبیات کے تنقیدی رجحانات کا ذکر بھی اردو تنقید کے بیان میں ضروری سمجھتے ہیں۔

عربی ادب کی تاریخ بہت قدیم ہے طلوع اسلام سے قبل ہی وہاں شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ عکاظ کے میلے میں شعراء اپنا کلام سنا کر داد و تحسین حاصل کرتے تھے۔ اس دور کی شاعری کے لیے نقد و انتقاد کے اصول و شرائط بھی متعین کر دیئے گئے تھے۔ ابن رشیق نے اپنی تصنیف ''کتاب العمدہ'' میں جدت طرز ادا اور ندرت بیان کیہ اہمیت کو اجاگر کیا۔ ابن خلدون نے بھی نثر و نظم کا فرق بتلاتے ہوئے عمدہ شعر کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور کلام منظوم اور شعر کے فرق کو واضح کیا ہے۔

عرب کے بیش تر نقادوں نے۔ حسن معنی کو ترجیح دی ہے۔ بعض مبالغہ اور غلو کو پسند کرتے ہیں، یعنی شعر کی ظاہری خوبیوں کو ضروری سمجھتے تھے۔ اس لیے شعر کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ، قافیہ و ردیف، اوزان م وشبیہ، استعارہ کنایہ وغیرہ کے پیش نظر کیا جاتا تھا۔ وہ معنوی خوبیوں سے زیادہ اسلوب اور ہیئت کے دلدادہ تھے۔ لیکن بعض نے اسے شعر کے لئے عیب قرار دیا ہے۔

ایران کے شعراء بھی عرب کے بعض شعراء کی طرح شعر کے صوری حسن کو پسند کرتے تھے ''چہار مقالہ'' جسے فارسی شاعری کی تنقید کی پہلی کتاب کہا جاتا ہے۔ وہاں ساعری کے تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوتے عروض اور شعری محاسن کا ذکر کیا ہے۔ نظامی نے ہر شاعر کے لیے۔ عروح ست واقفیت کو لازمی قرار دی ہے۔ موضوع یا دکر سے زیادہ انداز بیان کی اہمیت تھی۔ رشید اکدئن وطواط کی تصنیف میں بھی شعری محاسن سے بحث کی گئی ہے۔ امیر عنصر المعالی کیکاؤس نے بھی فب شعر کے تعلق سے ایک کتاب لکھی جس میں بتلایا ہے کہ شعر کیسا ہو؟ اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ وغیرہ ایران میں ایک زمانے تک کوئی سیاسی، سماجی انقلاب رونما نہیں ہوا تھا۔ اس لئے قدین رجحانات کا تاثر ان کے شعر و ادب پر کافی عرصے تک رہا عروض و قافیہ، صنائع و بدائع کا شمار محاسن شعری میں تھا۔ اردو ادب میں بھی اس روایت کی پاسداری

طویل عرصہ تک جاری رہی۔ روزمرہ کی صفائی بندشوں کی چستی، الفاظ کے دروبست اور عروض کی صحت کو شاعری کا معیار سمجھا گیا اور تنقید کے لیے بنیادی شرط قرار دی گئی۔ مگر قارئین کا ذوق ان اصولوں کا پابند نہیں تھا۔

مشاعرں کا شمار تنقیدی تربیت کے عوامی مراکز میں ہوتا تھا۔ مکتبی تنقید سے قبول عام کو سب سے بڑی سند مانتے تھے۔ ممکن ہے اس ذوق کی آبیاری میں علماء کی مساعی کا بھی دخل رہا ہو۔

اردو ادب میں تنقید ع شعور کا پتہ تذکروں سے قبل مشاعروں سے ملتا ہے۔ شعراء کے کلام ہر داد و تحسین دی جا تی تھی یا پھر اعتراض کیا جا تا تھا۔ جس کی بنیاد معانی و بیان پر تھی یہ ہماری تنقید کا اولین نقش ہے۔ شعراء نے اپنی نظموں میں شعر کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی۔ اس طرح کے اشعار بھی ان کے تنقیدی شعور کی غمازی کرتے ہیں۔ مثلاً وجہیؔ نے اپنی مثنوی ''قطب مشتری'' میں اس کا اظہار خیال کیا ہے

جسے بات کے ربط کا نام نیں
اسے شعر کہنے سے کچھ کام نیں
اگر نام ہے شعر کا تجھ کو چھند
چنے لفظ ہو رمعنی مزہ ہو بلند

دور کے شعراء کے بعد عہد آصفیہ میں بھی میرؔ و سوداؔ کے معاصر حیدر آبادی شاعر شیر محمد خاں ایمان نے بھی مشکل قافیوں۔ ردیفوں اور زمینوں کی پابندی اعتراض کیا ہے۔ جن کی وجہ سے تخیل متاثر ہوتا ہے۔ ؎

نہ کیوں نا چار ہو شاعر کرے جب قا فیہ تنگی
غزل لکھے اگر ہو ئے زمین کیسی ہی بے ڈھنگی
پسند اپنی وہی ہو تی ہے غزل جس میں
صف الفاظ کی ہو یک قلم دلچسپ مضموں ہو

ولی اور میر نے بھی اپنے کلام میں شعر کی خوبی اور خامی کی پہچان بتلائی ہے شعراء کے کلام پر تنقید و تبصرے کے تعلق سے ہمارے ادب کا سب سے اہم ماخذ تذکرے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ تذکرے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تزکرے بعد کی تنقید کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ لیکن بقول فراق اس میں تنقید اشارے ضرور مل جاتے ہیں۔ تذکروں کی روایت بھی دیگر ادبی روایتوں کی طرح فارسی اور عربی کے توسط سے آئی ہے۔ ان تذکروں میں تنقید کے معیار کا انحصار ذاتی پسند و ناپسند پر تھا

شمالی ہند کے تذکروں میں تنقید کے معیار کا انحصار ذاتی پسند و ناپسند پر تھا شمالی ہند کے ریاض الفصحاء، میر حسن کا شعرائے اردو قائم کا مخزن نکات۔ مرزا علی کا گلشن ہند قاسم کا مجموعہ نغز، ابراہیم خلیل کا ''گلزار ابراہیم'' شیفتہ کا گلشن بے خار، کریم الدین کا طبقات الشعراء۔ مرزا قادر بخش صابر کا گلستاں سخن۔ اور قطب الدین باگل کا بہار و خزاں قابل ذکر ہیں

جنوب کے تذکرہ نگارون میں غلام علی آزاد نے خزانۂ عامرمہ اور لالہ لچھمی نارائن شفیق تین تذکرے لکھے جو علی الترتیب ''چمنستان شعراء۔ گل رعنا اور شام غریباں ہیں۔ علاوہ ازیں اسد علی خان تمنا نے۔ ''گل عجائب'' عبداللہ خان ضیغم نے ''تذکرہ ضیغم۔ لالہ سری رام نے ''خمخانۂ جاوید۔ عبدالجبار خاں ملکاپوری نے ''محبوب الزمن تذکرۂ فتوت (ریاض حسنیٰ) سخنوران بلند فکر، اور افضل بیگ خاں قاقشال کا تذکرہ بھی اہمیت کے حامل ہیں

مذکورہ بالا تذکروں میں اردو فارسی شعراء کا حال فارسی میں درج ہے سوائے ''گلشن ہند'' اور ''محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن'' کے جن میں شعرائے اردو کے حالات اردو میں قلم بند کیے۔ گئے ہیں ان تذکروں میں شعراء کے مختصر سوانح کے علاوہ ان کے کلام پر تنقید بھی کی جاتی تھی۔ ان سے اس دور کے شعری رجحانات اور اسالیب کا پتہ چلتا ہے۔ بعض تذکروں میں شعری اصلاحیں بھی موجود ہیں۔ فارسی شعراء سے اردو شعراء کا تقابل بھی کیا گیا ہے۔ بیاضوں میں انتخاب کلام کے علاوہ اختصار کے ساتھ کلام پر رائے کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔

4 جدید اردو تنقید کا ارتقاء

اردو ادب میں نئے رجحانات کی ابتداء انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔ انگیریزوں کی ہندوستان مین آمد اور تسلط کے بعد معاشی۔ اور سماجی امور کے ساتھ ادبی و تہذیبی قدروں میں تبدیلی آئی۔ سرسید۔ حالی۔ شبلی اور نذیر احمد نے ادب کے فروغ کے ساتھ اسے نئے رجحانات سے آشنا کیا سرسید نے جس تحریک کا آغاز کیا وہ علی گڑھ تحریک کہلائی اس تحریک نے ادب کو افادی اور مقصدی بنانے پر زور دیا ادب کی ظاہری شان یعنی اسلوب اور ہیئت سیز یادہ اس کے موضوع کو اہمیت کا حامل سمجھا یعنی ادب کی صوری شکل پر معنوی شکل کو ترجیح دی گئی۔

اس دور کے ادب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہاں تین قسم کے رجحانات ملیں گے ایک وہ حصہ جس پر جاگیرداری نظام کی چھاپ ہے۔ اس کی مثالیں داستانوں غزلوں اور مثنویوں وغیرہ میں ملتی ہیں۔ ادب کے دوسرے رجحان کے نمونے متوسط طبقے ادب میں ملتی ہیں جو بیسویں صدی کے ناولون اور شعری اصناف میں موجود ہیں تیسرا رجحان عوامی زندگی کی تصویر کشی ہے۔ لیکن اس طرف بہت کن توجہ دی گئی ہے۔

حالی شبلی اور محمد حسین آزاد نے۔ جس دور میں اپنے تنقیدی خیالات کا اظہار کیا۔ وہ ایک عبوری دور تھا۔ پرانا جاگیردارانہ نظام دم توڑ رہا تھا۔ اور نیا صنعتی نظام انگریزوں کے تسلط اور اقتدار کے سبب وجود میں آرہا تھا اس بدلتے ہوئے سیاسی و معاشی نظام کا اثر سماجی زندگی پر پڑا۔ جس کا اثر ادب نے بھی قبول کیا ادب مین اسلوب کی بجائے موضوع کی اہمیت پر زیادہ زور دیا جانے لگا سلیس سادہ اور عام فہم زبان کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ شبلی اور آزاد کے یہاں زبان کی رنگینی برقرار رہی۔ لیکن نقطۂ نظر تبدیل ہوا۔ حالی اور شبلی کا تعلق سرسید تحریک سے تھا۔ لیکن آزاد کی اس تحریک سے وابستگی نہ ہونے کے باوجود وہ جدید خیالات کے حامل تھے۔

حالی جدید تنقید کے اولین تنقید نگار ہیں انھوں نے ''مقدمہ شعروشاعری'' لکھ کر اس کی ابتداء کی۔ بلاشبہ یہ حالی کی شعوری کوشش نہیں تھی۔ انھوں نے شاعری کے تعلق سے جن امور کو پیش کیا ہے۔ وہ شاعری کے قدیم رجحانات سے بالکل مختلف ہیں۔ حالی کی تنقیدی تصانیف میں مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ ''یادگار غالب'' ''حیات سعدی'' اور حیات جاوید'' شامل ہیں۔ یہ تینوں کتابیں بادی النظر میں

سوانحی تصانیف محسوس ہوتی ہیں۔لیکن ان میں بھی حالی کی تنقید کا پہلو نمایاں ہے۔

حالی کے تنقیدی شعور کی نشو ونما دراصل سرسید۔ غالب ،اور شیفتہ کی محبتوں کا نتیجہ تھی۔جس میں حالی سب سے زیادہ شیفتہ سے مستفید ہوئے۔ حالی کی تنقید مشرق ومغرب کے تنقیدی رویوں کا امتزاج ہے۔ جہاں انھوں نے افلاطون ،مکالے اور ملٹن کے تنقیدی نظریات کا ذکر کیا ہے، وہیں وہ خلیل ابن احمد، زبیر ابن ابی سلمیٰ، ابن رشیق اور احمصی کے اقوال کو بھی اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں انھوں نے شعر میں افادیت ،سادگی اور ماحول کی ترجمانی کے علاوہ تخیل، کائنات کے مطالعے اور تفحص الفاظ کی شرط بھی ملحوظ رکھی۔اصلیت اور جوش کو بھی ضروری قرار دیا۔غزل کی اصلاح کی طرف توجہ کی حالی نے جواصول مرتب کیے انھوں نے اپنی عملی تنقید میں بھی انھیں پیش کیا۔

شبلی کی تنقیدی تصانیف میں ''شعرالعجم''موازنۂ انیس ودبیر''''مثنوی مولا ناروم'' مختلف مقالات اور تبصرے شامل ہیں۔ان کے یہاں بھی نظری اور عملی تنقید کے نمونے موجود ہیں انھوں نے ''شعرالعجم'' کی چوتھی جلد میں ،اردوشاعری سے بحث کی ہے ان کے تنقیدی شعور کی تبدیلی کا سبب حالی کی طرح خارجی حالات ہیں۔علی گڑھ میں انھیں فرانسیسی عالم آرنل

کی صحبت کا شرف حاصل رہا جس نے ان کے شعور کو جلا بخشی۔شاعری شبلی کے خیال میں ذوقی اور وجدانی چیز ہے جس کا تعلق احساس سے بھی ہے۔انھوں نے شعر کے لئے جذبات کو ضروری قرار دیا۔تخیل کے تعلق سے تفصیلی بحث کی ہے۔محاکات کو وہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ان کے یہاں الفاظ وصوری پہلو کی اہمیت زیادہ ہے۔گو معانی سے انحراف نہیں۔

محمد حسین آزاد نے ''آب حیات''سوانحی ماخذ کے طور پر ترتیب دی لیکن انھوں نے شعراء کے حالات زندگی کے علاوہ ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ان میں اکثر شعراء کی شعری تخلیقات کا موازنہ۔معاصر شعراء کے کلام سے کیا ہے۔اور اپنی رائے اس تعلق سے پیش کی ہے۔اس سے ان کے تنقیدی نقطۂ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔بعض شعراء کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

حالی وشبلی کے بعد جن نقادوں نے اپنے تنقیدی خیالات ونظریات کا اظہار کیا ہے۔ان میں وحیدالدین سلیم امداد امام اثر مولوی عبدالحق۔ پنڈت وتاتریہ کیفی۔ پروفیسر محمود شیرانی۔مہدی افادی مسعود حسن رضوی ادیب محی الدین قادری زور۔عبد القادر سروری، عبدالرحمان بجنوری، پروفیسر رشید احمد کلیم الدین احمد صدیقی کلیم الدین احمد، سید احتشام حسین۔اور اال احمد سرور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تنقیدی نقطۂ نظر کے اختلاف کا بنیادی سبب۔حالات افتاد طبع۔ذہنی رجحان انداز فکر کا مختلف ہونا ہے۔ایک ادب پارے کی پسندیدگی کی وجہ کوئی اپنی دلچسپی سکون بتلاتا ہے اس کے علاوہ کسی اور خوبی کا متلاشی نہیں رہتا دوسرا اسے سماجی اور انسانی فلاح وبہبود کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ایک کے یہاں ادب کا مقصد صرف تفنن طبع ہے اور دوسرا ادب کو نہ صرف زندگی کا ترجمان بلکہ نقاد کہتا ہے۔سوسائٹی کی کمزوریوں کا پردہ فاش کرنا ہی اس کا مطمح نظر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے پیش نظر اصلاح کا مقصد بھی ہوتا ہے۔

ان دو گروہوں کی تقسین دوزمروں میں کی گئی ہے۔ایک ''ادب برائے ادب'' یا ''ادب برائے فن'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اور دوسرا ''ادب برائے سماج'' یا ادب برائے زندگی''۔فن کار یا مصنف اپنی ماحول سے بے گانہ نہیں ہوتا وہ معاشرے یا سماج کا ایک

اٹوٹ حسہ ہے اس لئے وہ اپنی تخلیق یا فن پارے کو ماحول کے اثرات سے بچا نہیں سکتا ہے، اور سماجی مسا ئل کو پیش کرنے والا، ادب کی فنی خصوصیت سے انکار نہیں کرسکتا ہے۔ چنانچہ فیرل نے ادب کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے۔ ''ادب کو فنون لطیفہ کی ایکشاخ اور سماجی عمل دونوں حیثیتوں سے دیکھنا چاہئے۔ ایک افادی اور دوسرا جمالیاتی (Aesthetics) ادب ان دونوں سے مل کر بنا ہے۔ چونکہ ادب کا تعلق معاشیات۔ اقتصادیات۔ سیاسیات۔ عمرانیات، فلسفہ اور نفسیات سے ہوتا ہے۔ اس لیے نقاد کی واقفیت ان تمام علوم سے ہوتا ہے۔

نقاد نظر کے اختلاف کے لئے ضروری نہیں کہ دور بھی مختلف ہو۔ ایک ہی دور میں بھی اس طرح کے اختلافات ہوتے ہیں۔ ایک فرد عینیت پسند ہوتا ہو۔ دوسرا حقیقت پرست۔

سیاسی و سیاسی نظام جب درہم برہم ہوتا ہے۔ تب ادب کو صرف لطف و انبساط کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ معاشرہ اخلاقی فراوٹکا شکار ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً ان کی وابستگی صحتمند فکری و تہذیبی نظام سے برقرار نہیں رہتی۔ جس کی وجہ سے ادب بھی متاثر ہوتا ہے اور اکثر اوقات لطف و انبساط کی بجائے یاس و حاماں نصیبی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

ادب ہر دور میں کسی نہ کسی نظریہ کی ترجمانی ضرور کرتا ہے۔ لیکن وہ اس کا پابند اپنے نہیں کرتا افلاطون سے مارکس و ہیگل بلکہ آج تک۔ ادب میں مختلف نظریات پیش کش کی گئی۔ ادب کو کسی نظریے کی تبلیغ کے لیے استعمال نہ کرنا چاہئے ورنہ ادب پروپگنڈہ بن جائے اس کی ادبیت اور افادیت مجروح ہوجائے گی۔

ادب اور نظریہ'' کے تعلق سے احتشام حسین نے بڑی متوازن رائے کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں۔

''۔۔۔۔ بیرونی حیثیت سے ادب زندگی کے کسی نقطۂ نظر کا جو ادیب کا نقطۂ نظر ہوتا ہے، پابند بن جاتا ہے اور اندرونی حیثیت سے ان قوانین فن کا جو مخصوص قسم کے ادبی اظہار کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ اس لئے اچھا ادیب وہ ہوگا جو اپنے نظریئے اور فن دونوں سے وفاداری برتے جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ ادب کی حقیقت سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔

5 تنقیدی دبستان ادب

اپنے دور کی تحریکوں اور معاشرتی تبدیلیوں سے چشم پوشی نہیں کرسکتا وہ جہاں ادب پاروں کے حسن خط، مسرت اور لطف کو اہم سمجھتا ہے اس کے ساتھ اس کی افادیت کا بھی کیال رکھنا ضروری ہے۔ ان مختلف نظریات کی بنیاد پر ادب کی تقسیم مختلف ''دبستانوں'' میں کی گئی ہے۔

5.1 تقابلی تنقید:

ناقدین میں سے بعض نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تقابلی تنقید کی ابتدا مغرب کے زیر اثر ہوئی، یہ نقطۂ نظر حقیقت پر مبنی نہیں۔ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے قبل بھی ہمارے تذکروں وغیرہ میں یہ رجحان موجود تھا۔ اردو کے شعراء کا مقابلہ۔ فارسی شعراء سے کیا جاتا تھا۔ بلکہ شعراء خود، شاعرانہ تشفی کی خاطر اپنے کلام کا موازنہ فارسی شعراء سے کیا کرتے تھے ۔ اور فخریہ انداز مین اپنے اشعار کو ان سے بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یا کبھی مسابقت معاصر اردو شعراء سے کرکے انکساری کا اظہار کیا۔

نہ ہو پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا
ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا
طرز بیدلؔ میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

میر کے تذکرے نکات الشعراء میں تقابلی تنقید کی مثالیں۔ موجود ہیں عبدالرحمان بجنوری کی تنقید کا شمار۔ جدید تقابلی تنقید کے فن پاروں میں کیا جاتا ہے۔ انھیں انگریزی اور دیگر زبانوں پر عبور تھا۔ انھوں نے غالب کا تقبل گوئٹے اور گولڈ اسمتھ سے کیا ہے۔ اور مغرب سے مرعوب ہوئے بغیر غالب کی شاعری کا موازنہ مغربی شعراء سے کرتے ہوئے غالب فنی خوبیوں کو اجاگر کیا۔ انھیں ایک عظیم شاعر قرار دیا ہے۔ شبلی کا ''موازنہ انیس و دبیر'' بھی تقابلی تنقید کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

5.2 تاثراتی تنقید

جمالیاتی تنقید اور تاثراتی تنقید کو عموماً خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔، ان دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے تاثراتی تنقید کا تعلق صرف وجدان اور جذبات سے ہوتا ہے جب کہ جمالیاتی تنقید۔ احساس حسن سے بحث کرتے ہوئے۔ استدلالی طریقی پر جو سائنٹفک رجحان کا حامل ہوتا ہے اس فلسفے کی ترجمانی کرتی ہے۔

جمالیاتی تنقید کی ایک شاخ تاثراتی تنقید ہے کروچے جو جمالیاتی تنقید کا ایک اہم مفکر ہے۔ وہ آرٹ کو اظہار تاثرات اور اظہار وجدان مانتا ہے۔ جمالیاتی تنقید میں حد درجہ داخلیت کے پیدا ہونے سے وہ تاثراتی تنقید بن جاتی ہے کسی فن یا اس کے مطالعے کے بعد ذہن جو تاثر قبول کرتا ہے۔ اس کے اظہار ہی کو تاثراتی نقاد حقیقی تنقید کہتے ہیں۔ ان کی دانست میں ادب کا حسن اور دلکشی۔ جذبات و احساس کی وجہ سے ہے۔ مقصد اور افادیت سے تاثراتی نقاد کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ والٹر پیٹر جو ایک ممتاز تاثراتی نقاد ہے اس نے ادبی تنقید کے تعلق سے اس خیال کا اظہار کیا ہے

''کسی ادبی تخلیق کی جانچ پڑتال کے لئے جمالیاتی نقادوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ تخلیق ذہن پر کس قسم کا اثر ڈالتی ہے''۔

اس دبستان کے نقادوں کا کہنا ہے کہ۔ تہذیبی محرکات اور سماجی زندگی کا ادبی تنقید سے کوئی واسطہ نہیں۔ آسکر وائلد، اسپنگاروں اور کیٹس کا شمار، تاثراتی تنقید کے ناقدین میں کیا جاتا ہے۔ اسپنگارن نے اپنی تنقید کو ''تخلیقی تنقید'' کہا ہے، اس کے خیال میں اچھی تنقید خود تخلیق کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔

تاثراتی تنقید میں موضوع سے زیادہ اظہار کی اہمیت ہے۔ خیال کی گہرائی اور معنی آفرینی ان کے یہاں قابل توجہ نہیں۔ وہ اپنی تنقیدوں میں بھی تشبیہات و استعارات سے کام لیتے ہیں۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی انھیں سروکار نہیں ادب میں وہ اس بات کے متلاشی

رہتے ہیں کہ ادب مسرت اور حظ حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ اور اس میں جذبات کو متاثر کرنے کی صلاحیت ہو۔ تاثراتی تنقید میں جذباتیت زیادہ ہوتی ہے۔ اسپنگارون کا کہنا ہے کہ ادب چونکہ تاثرات کی پیداوار ہے اس لیے تنقید کو بھی تاثراتی ہونا چاہیے اس نظریئے کو ماننے والوں نے اس تنقید کو جذبات اور تاثرات کی آفرینی قرار دیا ہے۔ جس کا احساس فن کار کو اپنی تخلیق کی پیش کش کے دوران ہوتا ہے تاثراتی نقاد کار کے سرچشمہ کو بازیافت کر کے۔ اسے تنقید کی صورت میں ایک نیا قالب عطا کرتے ہیں اس لیے وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ اس قسم کی تنقید۔ دراصل ''تخلیقی تنقید'' ہے۔

تنقید نگاری کا یہ اسلوب انیسویں صدی کے رومانی اسکول کی دین ہے۔ ان نقادوں کے تمام فیصلے جذباتی ہیجان کا نتیجہ ہوتے ہیں تاثراتی تنقید پر مفکرین نے کئی اعتراضات کیے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تاثراتی تنقید کا معیار صرف ذاتی پسند اور شخصی ناپسندیدگی ہے۔ یہاں انفرادیت کی اہمیت ہے۔ اس تنقید میں معنی پر اظہار کو اور خیال پر اسلوب کو ترجیح دی جاتی ہے۔ تاثراتی تنقید کی ایک اور خامی یہ بتلائی گئی ہے کہ اس میں داخلیت بہت زیادہ ہے۔ تاثراتی نقاد ادب کو اخلاقی اصولوں کی پابندی سے بے نیاز رکھنا چاہتے ہیں۔ اس تنقید میں ادب کے جمالیاتی اور روحانی پہلوؤں کو اور وجدان و تخیل کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تنقید کو حقیقت پسندی سے دور۔ اور مادی حقائق سے گریز کرنے والی قرار دیا گیا ہے۔

تاثراتی تنقید کے ماننے والوں نے دوسرت دبستان تنقید کی خامیوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی نظر میں ''تجزیاتی تنقید'' اور ''نفسیاتی تنقید'' کے دبستان فن یا اس کی قدر و قیمت متعین کرنے میں انصاف نہ کر سکے فن کی جانچ میں نقاد کی پوری ہیئت پر ہونی چاہیئے۔ شاعر نہ معلم اخلاق ہے نہ فلسفی اور نہ پیغامبر، وہ اپنی تخلیق کو خوب صورتی کے ساتھ پیش کرے۔ بس یہی اس کا فریضہ ہے اگر وہ اس ذمہ داری کو نباہ نہ سکا تو وہ اس کی ناکامی ہے۔ شاعروں کی تحسین و آفرین کا شمار بھی۔ تاثراتی تنقید میں کیا جاتا ہے۔ یا تذکروں میں جو مختصر تبصرے ہیں ان میں بھی تاثراتی تنقید کا رجحان موجود ہے۔

اس تنقید کے تعلق سے بعد کے ناقدین نے جو رائے قائم کی ہے۔ اس میں توازن ہے۔ کلیم الدین احمد نے ترقی پسندوں پر تنقید کی ہے کہ انھوں نے فن کو فراموش کر دیا۔ کلیم الدین احمد نے اولیت کا شرف ادبی تقاضوں کو بخشا ہے اور بعد میں زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی ہے۔ تاکہ ادب کی آفاقی اور ابدی قدریں برقرار رہ سکیں اور ساتھ ہی انھوں ''تاثراتی تنقید'' کو غیر ذمہ دارانہ بھی قرار دیا ہے پیٹر کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا انداز تنقید اسی قسم کا تھا ۔جس کی مقبولیت چند روز تھی اور بعد میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ ایک غیر ذمہ دارانہ تنقید ہے جس کا انحصار صرف ناقد کے ذاتی تاثر پر ہے۔ فنی کارنامے سے نہیں ں یہ تاثراتی نقاد کی شخصیت۔ اس کے ذہن اور معلومات کا اظہار ہیں۔ یہاں فن مرکز توجہ نہیں بلکہ نقاد ہے۔

علامہ شبلی نے شعر کی تعریف میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ کہ ان کا تعلق بھی تاثراتی تنقید کے دبستان سے ہے لکھتے ہیں کہ:۔

''جو جذبات الفاظ کے ذریعے سے ادا ہوں وہ شعر ہیں۔ اور چونکہ سننے والوں کے دل پر بھی وہی اثر ہوتا ہے۔ جو صاحب جذبہ

کے دل پر طاری ہوا ہے اس لیے شعر کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں۔ جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے''

عبدالرحمان بجنوری۔ رشید احمد صدیقی، اور خورشید الاسلام بھی اس دبستان سے وابستہ ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے تنقیدی مضامین میں زبان خاص توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ اس سے تاثراتی تنقید سے اثر پذیری کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اچھے شعر کے تعلق سے ان کا تاثر ملاحظہ کیجئے۔

''شاعر کی زبان سے عالم بے خودی میں اکی ترانہ نکل جاتا ہے جو سامعہ سے دماغ تک پہنچ کر ہمیں وارفتہ ہستی کر دیتا ہے''۔

اس دبستان کا اثر تمام دبستانوں سے زیادہ دبستان اردو پر ہے اس کا پرتو بیش تر نقادوں کی تحریروں موجود ہے۔

5.3 نفسیاتی تنقید

نفساتی تنقید میں فن کے ساتھ فن کار کی شخصیت کا بھی تجزیہ دیکھا جاتا ہے اس فن کا بانی مشہور مفکر سگمنڈ فرائڈ ہے۔ نفسیاتی نقاد فن کار کی شخصیت اور اُس کی نجی زندگی کو فنی اظہار کی بنیاد مان کر۔ سوانحی حالات کو جاننا ضروری سمجھتا ہے۔ ساتھ ہی اُس کی ذہنی کاوشوں ں کا جو شعور اور لاشعور کی مرہونِ منت ہیں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اسے نفسیات کی اصلاح تحلیل نفسی (psycho Analysis) کہا جاتا ہے۔ نفسیاتی مفکرین نے شعور سے زیادہ لاشعور کو اہمیت دی ہے۔ لاشعور انسانی ذہن کا وہ خطّہ ہے جہاں خواہشوں کا انبار ہوتا ہے اور یہ عموماً جنسی، بہیمی اور ناجائز قسم کی ہوتی ہیں۔ قدرت نے انسان کی دماغ مشین کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ شعورر کے تحت جو امور انجام پاتے ہیں ان میں کچھ بھید بھاؤ نہیں ہوتا انھیں انسان بلاخوف وخطر کھلم کھلا بغیر کسی ذہنی تحفظ کے انجام دے سکتا ہے۔ لیکن لاشعور میں جو خواہشیں پنہاں ہوتی ہیں۔ وہ اخلاقی نقطۂ نظر سے اچھی نہیں سمجھی جاتیں۔ اس لیے سوسائٹی یا معاشرے کے خوف سے اس کا اظہار مشکل ہوتا ہے۔ لیکن لاشعور سے وہ جذبات غائب نہیں ہوتے بار بار شعور میں آنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں سماج کی قید و بند اور پابند یوں کی بنا پر شعوران کو پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ مگر دوبارہ لاشعور سے تحت الشعور میں پہنچ کر شعور تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ناآسودہ خواہشات کا گڑھ لاشعور ہوتا ہے۔ جو شعور سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہاں وہ چیزیں ہوتی ہیں۔ جن کی ہلکی پھلکی یاد اس میں محفوظ رہتی ہے۔ وہ باتیں جو ذہن پر زور دینے سے شعور کی سطح پر ابھرتی ہیں مثلاً بچپن میں دیکھی ہوئی اشیاء۔ اشخاص یا مقامات یا پھر اس سے ملتی جلتی چیز۔ یا شخص کے دیکھنے یا واقعہ کے ظہور پذیر ہونے سے ان امور کا اعادہ ہوتا ہے۔

تنقید نگار جب یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ فن پارہ کن اقتصادی و معاشرتی حالت اور ادبی ماحول کی تخلیق ہے تو اس کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس کی پیش کش کے وقت فن کار کے ذہن کیفیت کیا تھی۔؟ لیکن یہ کام دشوار ضرور ہے یہاں حقیقت کی تلاش اتنی آسان نہیں، فن پیچیدہ ہوتا ہے۔ لاشعور میں جو قوتیں ہوتین ہیں وہ بذات خود ان سے لاعلم رہتا ہے۔

تحلیل نفسی کا دخل زندگی کے ہر اس شعبے میں ہے۔ جہاں شعور کی میانہ روی پر لاشعور کی ہنگامہ خیزی مسلط ہو جاتی ہے۔ ادب کی قدر و قیمت کا تعین یا اس کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے سے پہلے، اندرونی دنیا کی تلاش ضروری ہوتی ہے۔ اس طرح کی معلومات

کی انحصاران تین عناصر پر ہے۔ پہلا یہ کہ ادب کیا ہے؟ دوسرا ادب کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔؟ تیسری بات اس کی قدر و قیمت کا تعین کیوں کر کیا جائے۔ بظاہر ان تینوں میں ربط محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن حقیقتاً یہ ایک دوسرت سے الگ نہیں بلکہ ایک دوسرت میں پیوست ہوتے ہیں۔

پروفیسر شبیہ الحسن نے جو اس دبستان کے ممتاز نقاد ہیں۔ تحلیل نفسی کے دائرے کار اور اس کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تحلیل نفسی، فن اور فن کار کی اصلیت بتلانے سے معذور ہے۔ اور نہ وہ ان کے وسائل کے بارے میں معلومات فراہم کرسکتی ہے۔ جن کے توسط سے فن کار اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ نہ تو اس کی ماہیت کے بارے میں کچھ بتلاسکتی ہے۔ اور نہ ٹکنیک کے ۔ان وجوہات کی بناء پر شبیہ الحسن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ادب اور فن کی حقیقت جاننے کے لیے تحلیل نفسی سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔ لہذا اسے قصوروار نہیں ٹھہرائیں۔ ادب اور فن سے اس کی دلچسپی ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسرا نقاد کا اولین فرح تعین قدر ہے۔ تحلیل نفسی کو تعین قدر سے دلچسپی نہیں۔ نقاد کے نقطۂ نظر۔ اور فن تنقید اور تحلیل نفسی میں کوئی ربط نہ ہو تو ادب کی اقدار کا تعین ناممکن ہو جا تا انھوں نے بالکل درست کہا کہ تحلیل نفسی ایک رہبر منزل نہیں۔

ادب کی تخلیق کے سلسلے میں معاشی و معاشرتی روابط کی تلاش اور ان کا ادب سے ربط۔ علاوہ ازیں ادیب کے ذاتی محرکات و شخصی رجحانات کی جستجو بھی ضروری ہے۔ جو ادب پر انفرادیت کی چھاپ لگاتی ہے۔ نفسیاتی مفکرین نے اجتماعی لاشعور اور نسلی شعور کی اصلاحیں بھی وضع کی ہیں۔ لیکن ان سے فن اور فنکار یا ادیب کے مسائل کا حل تلاش کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ فرائڈ اور یونگ نے بھی ان کی حقیقت اور ٹکنیک کے تعلق سے خاموشی اختیار کی ہے۔ تحلیل نفسی میں ادب کے متعلق آخری فیصلہ کرنے سے پہلے ادیب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ نفسیات کے ماہرین ادب کو دبی ہوئی خواہشات کے اظہار کا ذریعہ مانتے ہیں۔ لاشعور اصلی خطّہ اڈ ہے۔ جو ذہنی قوت کا سرچشمہ ہے۔ جہاں تمام جبلی رجحانات جمع رہتے ہیں اڈ کا ایک حصہ جو بیرونی دنیا سے وابستہ ہے۔ وہ لپیڈو ہے (جنسی انرجی) اور لپیڈو کا تعلق انا سے ہوتا وہ ایگو (Ego) اور فوق ایگو (super Ego) ہے۔ کے بارے میں خواہ یقین کریں یا نہ کریں لیکن انسانی افعال و کردار میں ان کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ادبی تنقید میں تحلیل نفسی نے مختلف شخصیتون کے ذہنوں کی گرہ کشائی کی ہے۔

اردو ادب میں شاعروں کے سوانح مکمل نہیں۔ نقاد کو ان ادباء و شعراء کے سوانحی حالات سے زیادہ اس بات سے دلچسپی رہتی ہے کہ سیاسی و سماجی عوامل نے کسی فرد کی زندگی کو کتنا متاثر کیا۔ تحلیل نفسی کے ذریعے ایک اور انکشاف علامتوں کے سلسلے میں ہوتا ہے ان علامتوں سے ادب مین استفادہ کرتے ہوئے تخلیق کار کے ذہن تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ علامتیں اظہار خیال کا بالواسطہ نہیں بلکہ براہ راست ذریعہ ہیں۔

5.4 مارکسی تنقید

مارکس نے پیداوار کی بنیاد پر سماج کو دو طبقوں میں منقسم کیا ایک سرمایہ دار طبقہ دوسرا محنت کش عوام یعنی مزدوران میں ایک ظالم اوع دوسرا مظلوم۔ اس نے اپنی تصنیف ''سرمایہ'' میں طبقاتی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے۔ سرمایہ دار یا پرولتاری طبقے کے ظالمانہ رویہ سے انحراف کرتے ہوئے مزدور مظلوم طبقے کی حمایت کی ہے۔ اس کے فلسفے کی حمایت کی ہے۔ اس کے فلسفے سے متاثر ہو کر ایک اور مفکر لینن

نے 1917ء میں روس میں، زارِشاہی کا خاتمہ کر کے حکومت کی باگ ڈور محنت کش عوام کے ہاتھ میں تھما دی۔اس انقلاب نے شعراؤادباء کو بھی متاثر کیا قدیم عہد میں ان کا تعلق حکمراں طبقے سے رہا کرتا تھا۔لیکن بدلتے ہوئے حالات نے انھیں اس کے برعکس محنت کش عوام سے قریب کر دیا جس کا اثر ان کی تحریروں پر ہوا اور وہ ''مارکسی دبستان'' کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔

ادب میں مارکسی نظریہ کی بہت اہمیت ہے مارکس نے جن خیالات اور تصورات کو پیش کیا ہے ان کی بنیاد تاریخی صداقت اور عملی تجربات پر ہے۔اس لیے اسے سائنسی حقائق کی طرح قطعی اور یقینی سمجھا جاتا ہے ادب اور فن اپنے عہد کی پیداوار ہیں۔فن کار جن حقائق کو پیش کرتا ہے وہ صرف اس کی انفرادی زندگی کی کیفیات ہی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں اردگرد کے حالات کا بھ عکس ہوتا ہے پڑھنے والے کو اس بات کا احساس ہو کہ وہ اس کے تجربات کا عکس ہے، مارکس ہے۔مارکسی نقاد اس بات کو ضرور سمجھتا ہے کہ مارکسی ادیب کا موضوع کسی ایک فرد کی زندگی کو اپنا تجربات کا عکس ہے مارکسی نقاد اس بات کو ضروری سمجھتا ہے کہ مارکسی ادیب کا موضوع کسی ادیب کا موضوع کسی ایک فرد کی زندگی کو اپنا محور نہ بنائے بلکہ وہ اجتماعی مسائل۔اور اجتماعی زندگیوں کی مرقع کشی کرے۔

مارکسی نظام میں ترجیح عوام کو دی جاتی ہے۔اس لیے ادب کی پیش کس میں بطور خاص اس بات کا خیال رکھا جائے کہ زبان سادہ سلیس اور عام فہم ہو۔مارکسی تنقید میں داخلیت اور ابہان زولیدہ بیانی کو نا پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ان کی دانست میں ادب عوام کا ترجمان ہو ساتھ ہی اسلوب بھی ان کی مناسبت سے ہو۔

مارکس نے سماجی شعور کے تعلق کی بنیاد پیداوار پر رکھی تھی۔اس طرح سے اس کا رشتہ منسلک ہو گیا مارکس مادے کو ایک ایسی حقیقت تسلیم کرتا ہے جو نمو پذیر ہے جامد نہیں۔اس میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔انسانی معاشرت۔تہذیب اور سماج میں جتنے انقلاب رونما ہوئے وہ ان کا محرک مادی اسباب کو قرار دیتا ہے۔جنھیں اقتصادیات کے نام سے موسوم کیا گیا انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں پر ہے۔انسان مختلف ذرائع سے ان سے آسودہ گی حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔انسانی ضرورتیں بھی تغیر پذیر ہیں۔جن کا اثر زندگی کی دوسری اقدار پر پڑتا ہے اس طرح فن اخلاق اور تہذیبی اقدار میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

مارکس کے فلسفے کی بنیاد مادے پر ہے شعور پر نہیں۔اس کا نظریہ ہے کہ مادی حالات کے بدلنے سے شعور متاثر ہوتا ہے۔شعور کی تبدیلی مادے پر اثر انداز نہیں ہوتی نتیجتاً ادب کی تخلیق میں مادی معاشی حالا تاور فن کار کا شعور کارفرما رہتا ہے۔مجنوں گورکھپوری نے مارکس کے جدلیاتی نظریے کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

''مارکس اور انگلز کی جدلیاتی ما دیت (جس کا دوسرا نام تاریخی ما دیت ہے) کا اسل مبحث تو اقتصادی اور معاشرتی حدوث وارتقا ہے۔لیکن اس سے لازمی طور پر فن کاری کا نظریہ بھی متاثر ہوتا رہتا ہے، مارکس کہ چکا ہے ہے کہ وجود شعور کو متعین کرتا ہے۔اس کا یہ قول بڑی اہمیت رکھتا ہے۔کہ ماحول کے ساتھ میرا تعلق ہی میرا شعور ہے۔انسان کے خیالات اور جذبات اس کے تمام مساعی ایک مخصوص دور کے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں اور جو مادی اسباب کسی ایک ماحول کی تشکیل کرتے ہیں ان میں طریقہ پیداوار یا پیداوار کی غرض سے اقتصاددی تنظیم سب سے زیادہ اہم ہے۔۔۔۔ہر تخیلی اکتساب اپنے زمانے کی مادی دنیا کا تخلیقی عکس ہوتا ہے فن کاری نتیجہ ہے فن کار اور

خارجی اسباب وصور کے درمیان جہدو پیکار کا شاعر یا کسی دوسرے فن کار کے اندر جو تخیلی اپج پیدا ہوتی ہے وہ یقینا ایک مطالبہ ہوتی ہے کہ مو جود خارجی نظام زندگی کو بدلا جائے اور اس کو از سرنو پیدا کر کے پہلے سے بہتر صورت دی جائے‘‘

(جدلیاتی مادیت اور جمالیات مجنوں۔علی گڑھ میگیز ین 1985ء ص46 بحوالہ شارب ردو لوی۔جیدی اردو تنقید۔ص336)

مارکس مادی طاقتوں کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔لیکن وہ اقتصادیات ہی کو سب کچھ نہیں مانتا اس نے سیاسی فلسفیانہ مذہبی ادبی اور فن کارانہ ارتقاء کو معاشی ارتقاء کا نتیجہ بتلایا ہے۔لیکن وہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے بتلاتا ہے کہ ارتقاء میں یہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔سماجی رشتوں میں تغیر کی اہمیت کا وہ قائل ہے۔اس کی دانست میں ایک طبقے کے تعلقت کا دوسرے طبقے کے تعلقات پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔(جن کا ایک جال سا پھیل جاتا ہے) جو پورے سماج کا احاطہ کیے ہوتے ہیں اس طرح ادب،فن اور تہذیب سب ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے ہیں۔کسی عہد کے سماج کی بنیاد،ان ہی مادی اور اقتصادی رشتوں کے اقدار پر منحصر ہوتی ہے۔
چنانچہ ادب کی تخلیق میں مادی و معاشی حالات اور فن کار کے تصور کے ساتھ دوسرے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔

سماج کے مختلف طبقات اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ان کی یہ کشمکش دوسرے مظاہرے کے ساتھ ادب پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ہر دور کا ادب اس طبقاتی تصادم اور کشمکش کا ترجمان ہوتا ہے،جو ایک تاریخی دستاویز کے مماثل ہوتا ہے۔اور ساتھ ہی ادب۔اس صورتِ حال کو بدلنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

سماج کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔جس میں انسانی افعال و کردار کے تمام پہلوؤں کا ہونا ضروری ہے،کسی بھی تحریک کا جائزہ خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی اس ہمہ گیر نقطۂ نظر کے بغیر ممکن نہیں،جس میں انسانی افعال و کردار کا احاطہ کیا جاتا ہے ادب چونکہ انسانی جذبات و خیالات کا ترجمان ہے۔اس لیے یہ طریقۂ کار اس کے لیے نہایت موزوں ہے۔چنانچہ اس کا تاثر ترقی یافتہ مما لک کی تمام زبانوں نے قبول کیا۔
مارکسی نظریہ نے اس مفروضے کی تردید کر دی ہے کہ ادب کو صرف ادبی اقدار کے تحت پرکھا جاتا ہے یہ نظریہ اب فرسودہ ہو گیا۔

مارکس،افلاطون اور ارسطو کے نظریات سے بھی متفق نہیں۔افلاطون کے بیانات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے یہاں شاعری کی سماجی حیثیت نہیں۔ارسطو اسے تذکیہ (katharsis) سے تعبیر کرتا ہے،جس می کسی حد تک سماجی نقطۂ نظر کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔لیکن اس نقطۂ نظر کی بعد کے بدلتے ہوئے معاشرتی رجحانات و اقدار میں برقراری ممکن نہیں۔ترقی یافتہ سماج نے ادب کو نئے اسالیب عطا کیے۔

مارکسی نقطہ نظر،دوسرے سماجی علوم پر بھی اثر انداز ہوا۔چنانچہ مغرب کے اکثر نقاد ادب کی تنقید کے لیے تاریخی مادیت اور سماجی حقائق کو ناگزیر سمجھتے ہیں۔

مارکس نے ان خیالات کی تردید کی جن میں ادب کا تعلق ہماری مادی زندگی اور عملی تجربات سے نہ ہو ادیب یا فن کار کی تخلیق کا وجود خلاء میں نہیں ہوتا،انسان کے خیالات اس کے عملی تجربات و مشاہدات کا عکس ہوتے ہیں اس نے سماجی تغیرات اور معاشی انقلاب کی بنیاد بھی ذرائع پیداوار پر رکھی یعنی ذرائع پیداوار کے بدلنے پر معاشرے میں تبدیلیاں رونما ہوتی جس کا اثر ادب بھی قبول کرتا ہے۔

مارکس کی نظر میں ادب ماحول اور سماج کی ترجمانی کرتا ہے وہ ادب کو مادے کی طرح تغیر پذیر اور ارتقاء پذیر بتلاتا ہے۔

مارکسی نقطۂ نظر پر بے شمار اعتراضات ہوئے۔ جن میں سے ایک یہ کہ اس نظریے میں اجتماعی زندگی کو زیادہ اہمیت دی گئی اور انفرادی زندگی کو نظر انداز کیا گیا لیکن حقیقتاً مارکسی تنقید میں یہ انتہا پسندی نہیں۔ اجتماعی زندگی اور سماجی محرکات کی اہمیت کے باوجود وہ ادیب یا فن کار کی انفرادیت سے انکار نہیں کرتی اختر حسین رائے پوری نے لکھا ہے ''ادب اپنے ماحول سے کچھ لیتا ہے اور اس قرض کو اپنی شخصیت کے سود کے ساتھ واپس کرتا ہے''،

مارکس نے ادب کے لئے صرف سماجیات اور اقتصادیات کو ضروری نہیں سمجھا اس کے ساتھ فنی اقدار حسن اور جمالیاتی احساس کو بھی ناگزیر سمجھتا ہے وہ زندگی کی دوسری قدروں سے انکار نہیں کرتا لیکن معاشی اور اقتصادی اقدار کو ان پر ترجیح دیتا ہے۔

مارکس اور فرائیڈ کے تصورات میں بھی بنیادی فرق ہے۔ مارکس انسانی جبلتوں میں معاش کس سب سے اہم مانتا ہے اور جب اس جبلت کا مظاہرہ طریقۂ پیداوار اور سماجی رشتوں پر اثر انداز ہوتا ہے تو دوسری جبلتیں بھی متاثر ہوتی ہیں اس کے برعکس فرائڈ جنسی تجسس اور تجربہ کو زندگی کی اہم حقیقت سمجھتا ہے جو دیگر جبلتوں پر اثر انداز ہوتی ہے انسان کا یہ جنسی جذبہ، سماج کی پابندیوں کے خلاف اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ حسن و جمال اور فنون لطیفہ کے تمام مظاہر کو اس جذبے کے انتشار کی صورت سے تعبیر کرتا ہے۔ مارکسی فلسفہ اس نظریے کو نہیں مانتا۔ وہ اسے سرمایہ دارنہ نظام کی خرابی سے تعبیر کرتا ہے۔

مارکسی نظریہ ادب نے جمالیات کو نظر انداز نہیں کیا لیکن وہ اس کو بھی متحرک دیکھنا چاہتا ہے۔ سماج کے ارتقاء میں وہ شریک کار بنانا چاہتا ہے۔

اردو میں ''مارکسی تنقید سے روشناش کرانے والوں میں قابل ذکر نام مجنوں گورکھپوری، ڈاکٹر عبدالعلیم۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، پروفیسر احتشام حسین اور بعد کی نسل میں پروفیسر محمد حسن، پروفیسر سید عقیل اور شارب ردولوی کے ہیں۔ انھوں نے اپنی بیش بہا تحریروں سے، اس کے سرمایہ میں گراں بہا اضافہ کیا۔

5.5 ترقی پسند تنقید

ترقی پسند انجمن کا قیام 1935ء میں عمل میں آیا اس تحریک کے روح رواں، مارکس کے نظریہ سے متاثر تھے۔ ترقی پسند تحریک کا ت علق معاشیات۔ سماجیات، سیاسیات کے ساتھ ادبیات سے بھی تھا۔ ماحول کی اس تبدیلی کا اثر ادبیات پر بھی ہوا۔ اس طرح ادب کی قدیم روایتوں سے انحراف کر کے نئے ابھرتے یوئے رجحانات سے روشناش کرایا ان خیالات کو عام کرنے کے لیے انجمن نے باضابطہ ،منظم طریقہ پر ان نئی پالیسیوں کو ایک تحریک کے طور پر پیش کیا جو ترقی پسند تحریک کہلائی، ادب کی شعری تخلیقات کے علاوہ نثری تخلیقات نے بھی اس کا تاثر قبول کیا۔ چنانچہ نثری ادب میں تنقید میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بعض ناقدین نے ترقی پسند تحریک ''کو غدر کے بعد ہونے والے اس نئے احساس کی منطقی تکمیل قرار دیا ہے۔

اس تحریک سے وابستہ افراد نے ''ادب برائے ادب'' یا ادب برائے فن'' کے بجائے ''ادب برائے زندگی'' ادب برائے سماج''

کے نقطۂ نظر بنایا اور ادب کا تعلق سماج اور معاشرت سے پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے بدلے ہوئے سماجی پس منظر کے ساتھ ادب کی تبدیلی کو بھی ضروری سمجھا ادب کو سماج کا ترجمان اور نقاد قرار دیا گیا۔ اس تحریک کا دوسرا جزو یہ تھا کہ ادب میں موضوع اور مواد کی اہمیت تو مسلم ہے۔ اسلوب یا ہیئت پر اسے ترجیح حاصل ہے۔

علی گڑھ تحریک اور ترقی پسند تحریک میں بعض مماثلتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کہیں دونوں میں فرق و امیاز بھی ہے۔ دونوں کا مطمح نظرا کی تھا دینی ادب مین مقصدیت اور افادیت کو ترجیح دی گئی ادیب یا شاعر کی سماجی حیثیت کی شناخت کے ساتھ اس کی تخلیقات مین معاشرت کی پیش کشی کو لازمی قرار دیا گیا۔ دوسری شرط موضوع اور اسلب کے تعلقسے تھی یعنی ہیئت ہی اہمیت کی حامل نہیں بلکہ مواد بھی اہم ہے۔ قدیم شعراء کی تخلیقات میں بعض کے یہاں فکر سے زیادہ اظہار بیان کو اہم سمجھا جا تا تھا۔ شعر کی تخلیق میں بلندی تخیل اور تفکر پر انداز بیان کو ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہ تفنن طبع کی شرط پر تو پورے اترتے تھے۔ لیکن ان سے معاشرت کی اصلاح ہوتی تھی۔ اور نہ قاری یا سامع سوائے لطف اندوزی کے کوئی خاص تاثر قبول کر سکتے تھے۔

علی گڑھ تحریک کا تعلق صرف اردو زبان سے تھا۔ اور اس کی وسعت ملکی حدود تک تھی اس کی اساس کسی خاص نظریہ پر نی تھی اس کے برعکس ''ترقی پسند تحریک'' ایک عالمی تحریک تھی۔ یہ صرف اردو کی حد تک محدود نہیں تھی۔ اس کا کینوس بہت وسیع تھا۔ اس کا تعلق ہندوستان کی مقامی زبانوں کے علاوہ، بین قومی زبانوں سے بھی تھا۔ چنانچہ اس کے اثرات اردو کے علاوہ ہندی، مراٹھی، علی گڑھ تحریک اور ترقی پسند تحریک کا مطمح نظر افادیت اور مقصد کے تعلق سے ایک ہی تھا۔ چنانچہ ترقی پسندوں نے ''نیا ادب کیا ہے'' کا آغاز حالؔی کے اس بیان سے کیا ہے۔ اقتباس میں ملاحظہ کیجئے۔

''قاعدہ ہے کہ جس قدر سوسائٹی کے خیالات اس کی رائیں، اس کی عادتیں اس کی رغبتیں، اسس کا میلان اور مذاق بدلتا ہے اسی قدر شعر کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور یہ تبدیلی بالکل بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ کیو کہ سوسائٹی کے ساتھ وہ خود بدلتا چلا جاتا ہے۔''

ترقی پسند تحریک سے وابستہ ادباء وشعراء نے ادب اور زندگی کے تعلق پر زور دیا۔ ادب، تہذیب یا معاشرہ کا ایک جز ہو ہوتا ہے۔ اور سماجی شعبون کی وابستگی، سیاسی و اقتصادی نظام سے ہوتی ہے۔ تہذیب کے بنیادی عناصر، معاشی اور اقتصادی عناصر ہیں۔ طبقاتی نظام کی برائیوں کے استحصال کے لیے۔ وہ ادب کو آئنہ کار بنانا چاہتے ہیں۔ دولت کی مساوی تقسیم مظلوموں سے ہمدردی، سرمایہ دار کے ظلم سے نجات دلانا، وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہی ان کے بنیادی تصورات وخیالات تھے۔۔

ان ترقی پسند خیالات کی ترویج واشاعت کی بنا پر کئی لکھنے والے، اس تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ بعضوں نے اس تبلیغ واشاعت اپنی ادبی تخلیقات سے کی، اس نئے ادب کی ظہور پذیری کے بعد نقادوں کا ایک نیا حلقہ ابھا جس نے اپنے نظریئے کی بنیاد پر ہر ادب کی قدر ومعیار کا تعین کیا۔ ان نئے ناقدین حلقہ ابھرا جس نے اپنے نظریئے کی بنیاد پر ہر ادب کی قدر ومعیار کا تعین کیا۔ ان نئے ناقدین میں سجاد ظہیر، ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، سید احتشام حسین، احمد علی۔ اور فیض احمد فیض، سردار جعفری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے یہاں مارکسی نقطۂ نظر کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے ''ادب اور انقلاب'' کو ضبط تحریر میں لا کر، گویا اس تحریک کے نقیب ہو

نے کا ثبوت دیا۔

سجاد ظہیر ادب کی مقصدیت اور افادیت کو اہم سمجھتے ہیں۔ اس مقصد کی نوعیت ان کے خیال میں سماجی ہونی چاہئے۔ آرٹ اور آرٹسٹ کے سامنے، وہ ایک واضح مقصد اور نظریے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جس کے بغیر صحت مند ادب کی تخلیق کو ناممکن سمجھا۔ ان کی دانست میں، ادیب نہ صرف اپنی تحریروں کے ذریعے قوم میں بیداری پیدا کرے، بلکہ قومی جدوجہد و انقلاب میں حصہ لینے کی ترغیب دلائیں انھوں نے فنی پہلوؤں کو بھی اہمیت دی ہے۔ اس لیے ان کی ناقدانہ صلاحیت کے اعتراف کے ساتھ ان کی متوازن رائے کو اہم سمجھا گیا۔ انھوں نے ادب کو پروپیگنڈہ بنایا۔ اور نہ انتہا پسندی کا شکار ہوئے۔

ترقی پسند تحریک کیوجہ سے اردو ادب میں تنقید کے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا۔ اس دور میں ذوق و وجدان کی بجائے سماجی شعور اور نفسیاتی تجزیے کو موضوع بحث بنایا گیا۔ اور زندگی سے ان کے رشتے کو استوار کیا۔ چنانچہ اسلوب اور ہیئت کے نئے تجربات سے ادب روشناس ہوا۔

پروفیسر آل حمد سرور۔ جو ابتدائی دور میں اس تحریک سے وابستہ رہے۔ انھوں نے ترقی پسند تنقید کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے

۔

''ترقی پسند تنقید نے لوگوں کو مطالعے کا شوق دلایا اور آج لوگ تنقید بھی ذوق شوق سے پڑھنے لگے۔ اس نے تنقید کو محض لفظی صفتی یا شعبدہ باز ہونے سے بچایا۔۔۔ اس نے تحسین اور سخن فہمی کا معیار اونچا کیا۔۔۔۔ اس نے آزاد نظم۔ بے قافیہ نظم اور اس قسم کے دوسرے تجربوں کے لیے میدان صاف کیا۔۔۔۔ اس نے ہمارے ادب کو عصریت اور ارضیت عطا کی اور ماضی کی نئی پہچان میں حصہ لیا۔۔۔ اس نے تنقید کو تخریب یا عیب جوئی یا نکتہ چینی نہیں ہونے دیا۔،،

ترقی پسند تحریک نے جن نئے عنوانات کو اپنی بحث کا موضوع بنایا اس سے قبل اس مباحث کی ابتداء نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے ادب کو ایک وسیع تناظر عطا کیا اور ادیب قاری و نقاد کو اکٹھا کر کے ان کے تنقیدی شعور کو جلا اور بصیرت عطا کی۔ رمزیت اور اقتصادیات ادب سیاسیات۔ اجتماعیت و انفرادیت اور اظہار و اسلوب سے تھا۔ جو زیر بحث تھیں۔

ترقی پسند تنقید نے ادبی تنقید کو بعض نئے موضوعات دیئے۔ مثلاً نفسیات کے زیر اثر تحلیل نفسی، شعور و لاشعور۔ آرکی ٹائپل پیٹرن (اجتماعی شعور۔ دیومالاؤں اور اساطیر سے اثر پذیری) وغیرہ لیکن ان نظریات س ءمفکرین کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اس لیے جس نظریہ نے مقبولیت حاصل کی۔ اس سے بعد کے مفکرین نے انکار کر دیا۔ چنانچہ فرائڈ۔ یونگ، ایڈلر، وغیرہ کے اختلافات کی وجہ سے تنقید پر اس کے اثرات کم ہوتے گئے۔ اس کے لیے بین الاقوامی سطح پر ان کی جگہ، دوسرے نظریات نے لے لی۔ جن کی بنیاد لسانیات، صوتیات اور ساختیات پر ہے۔ جن میں فنی تخلیق کا مطالعہ زبان کی ساخت اور اس کی لسانی اساس پر کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا ناقدین کے علاوہ ترقی پذیر تنقید سے وابستہ دیگر ناقدین میں عزیز احمد، ممتاز حسین۔ اختر انصاری، سردار جعفری، مجتبیٰ حسین، ظفر انصاری، احمد ندیم قاسمی، ظہیر کاشمیری۔ وقار عظیم، علی جواد زیدی، اختر اورنیوی۔ ڈکٹر عبادت بریلوی، شارب ردولوی، مجنوں گورکھپوری،

فراق گورکھپوری، ڈکٹر محمد حسن، ڈاکٹر قمر سید محمد عقیل، باقر مہدی۔ ڈاکٹر وحید اختر، ڈاکٹر وہاب اشرفی۔ ڈاکٹر اجمل اجملی، محمد علی صدیقی، ڈکاٹر عتیق احمد، پروفیسر انجم اعظمی اور ڈاکٹر آغا سہیل نے اپنی بیش بہا تنقیدی تصانیف اور مقالوں سے اردو کے تنقیدی سرمائے میں غیر معمولی اضافہ کیا، ان میں سے بعض ناقدین کا کارویہ اپنے پیش رو۔ ادباء وشعراء کی تخلیق کے تعلق سے نہایت انتہا پسندانہ اور جذباتی تھا۔ اس لیے بعد کے نقادوں نے اس طرح کی تحریروں کو قابل اعتراض قرار دیا۔

ترقی پسند ادیبوں نے اسلوب اور ہیئت کے نئے تجربات سے ادب کو روشناس کرایا پروفیسر آل احمد سرور جو ابتدائی دور میں اس تحریک سے وابستہ رہے وہ ترقی پشند تنقید کی اردو ادب کو اس دین کے تعلق سے اظہار خیا کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ترقی پسند تنقید نے لوگوں کو محض لفظی یا صفتی یا شعبدہ باز ہونے سے بچایا۔۔۔ اس نے تحقیق اور سخن فہمی کا معیا اونچا کیا۔''

خلیل الرحمان اعظمی نے بھی ترقی پسند تنقید کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ انھوں نے تحریک کے ادب پر اثرات کا ذکر کرتے ہو ئے۔ تنقیدی کارناموں کو بطور خاص سراہا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ترقی پسند تحریک نے شاعری، اور افسانہ نگاری کے علاوہ اردو زبان کے جس شعبے کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ادبی تنقید ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس تحریک کی دولت اردو تنقید کو ایک نیا ذہن ایک نیا مزاج اور ایک منفرد کردار نصیب ہوا۔،،

5.6 تاریخی تنقید

سانت بیو، ذاتی وسوانحی حالات کے مطالعہ کو تنقید کے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ تاریخی تنقید کا ممتاز نگار ٹین (Taine) فنی تخلیقات پر تاریخی وسماجی حالات کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے فن کا ماحول سے جڑا ہوتا ہے۔ فن کے بارے میں جان کاری حاصل کرنے کے لئے، خارجی عوامل کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، فن کار اپنے گروہ میں ممتاز حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ فن کار خود ماحول کی دین ہے۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو ایک اقتباس:۔

''فن کوئی ایسی شے نہیں جو اپنے ماحول سے منقطع اور بے نیاز ہو لہذا اسے سمجھنے کے لیے ہمیں اس عہد کے ذہنی اور معاشرتی حالات ،محرکات کا لازمی طور پر معالعہ کرنا ہوگا، جو اس کی تخلیق کا باعث ہوئے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ فن کار ایک گروہ کا فرد ہوتا ہے، جو بہر حال اس سے بڑا ہوتا ہے اور تمام فن کار جزوی طور اپنے زمانے کی پیداوار ہوتے ہیں۔،،

ٹین (Tain) نے اس خیال کا اظہار کیا کہ کسی ملک یا عہد کو ادب کے لئے اس مقام کے سماجی، تاریخی اخلاقی، اور تمدنی حالات کا جائزہ ضروری ہے، اس کی نظر میں فن کار کی صلاحیتوں کا انحصار نسل ماحول اور زمانے پر ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی ادبی تحقیق کا مطالعہ کرنے سے پہلے ادیب اور ادبی تخلیق کے سماجی۔ معاشرتی اور مذہبی حالات سے واقفیت لازمی ہے۔

ٹین (Tain) سے قبل ایک اور نقاد ہرڈر نے ادب کے مطالعے اور تعین قدر کے لیے زمانے اور ماحول کے اثرات کے مطالعے کو ضروری بتلایا تھا۔ اس کے یہاں ایک واضح تصور نہیں ملتا۔ انیسویں صدی میں رومانی نقاد مادام دی اسٹیل اور کولرج وغیرہ نے بھی اس طرح

کے خیال کا اظہار کیا۔اس طرح ادب کے مطالعے کے لئے تاریخی جائزے کا لزوم رکھا گیا، جب ادب کو سیاسی و کمرانی اثرات کا نتیجہ قرار دیا گیا تو ''تاریخی تنقید'' کی ابتداء ہوئی۔

''تاریخی تنقید'' سے ادب کے اسلوب کی تبدیلی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔سیاسی منظرنامے کی تبدیلی جیسے جاگیردارانہ نظام کے دور میں کسی خاص صنف کی ہذیرائی، مثلاً شاہی دور میں قصیدہ نگاری اور داستاں گوی کا فروغ، دوسرے ممالک سے تعلقات اور نظام حکومت کی تبدیلی کا اثر بھی ادب پر ہوتا ہے اردو ادب ۱۸ویں صدی سے قبل اور بعد کے جائزے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغربی ادب کا تاثر اردو ادب نے قبول کیا۔زبان و بیان کی تبدیلی کے ساتھ فکر میں بھی تبدیلی کا احساس ہوتا ہے، ادب کے مطالعے کا ایک جز وسماجی اور تاریخی مطالعہ بھی ہے۔

تاریخی اور سماجی مطالعے کی ابتداء یونان سے ہوئی۔افلاطون نے ادب بالخصوص شاعری کے لئے کچھ شرائط رکھیں۔فنون لطیفہ کو ممنوع قرار دیا۔اس کا خیال تھا کہ کہ فن میں جتنی دلکشی ہوگی اتنا ہی پروپگنڈہ زیادہ ہوگا۔لیکن ارسطو فنون لطیفہ کو بے کار نہیں سمجھتا۔اس کا کہنا تھا کہ حقیقت تاریخ ہے اور شاعری تاریخ سے بڑی حقیقت۔تاریخ اور شاعری میں کاص و عام کا فرق ہے۔تاریخ صرف خاص امور کو ترجیح دیتی ہے، جب کہ ادب میں عام زندگیوں کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

ٹین (Tain) کے تاریخی نظریئے کی تردید مختلفد انشوروں نے کی ان میں بعض کا کہنا تھا کہ زمانے کی تبدیلی کا اثر ادب پر نہیں ہوتا۔کسی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ فن پارہ کی کیفیت اور اثر پر عہد میں یکساں نہیں ہوتا کیونکہ جمالیاتی خط ہر دور میں مختلف ہوتا ہے۔ادب مین عصریت پر زور دیا جائے تو وہ صرف ایک زمانے کے لیے مخصوص ہوجائے گا آفاقیت یا آفاقی عناصر مفقود ہوجائیں گے۔وہ صرف ایک خاص عہد کے لوگوں کا ترجمان ہوجائے گا یہ اعتراض ''روح عصر'' کے تعلق سے کیا گیا ہے۔

ٹین (Tain) کے نظریئے پر ایک اور اعتراض یہ کہ اس نے نسل زمانہ اور ماحول کے مطالعے کو اہمیتدی جس سے اجتماعی حیثیت کی ترجمانی ہوتی ہے۔لیکن انفرادیت کو نظر انداز کیا گیا۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس اعتراض کو قبول قرار نہیں دیا۔انھوں نے بتلایا کہ ٹین Tain نے ادب وفن کو سوانح عنری اور تہذیب سے وابستہ کر کے ادب شقاسی کے لیے نئی راہیں ہموار کیں اور یہ اعتراض بے جا ہے کہ اس نے ادب کے خالص انفرادی عوامل کی اہمیت گھٹادی۔ان کا کہنا کہ کہ یہ غلطی ٹین (Tain) کی نہیں بلکہ ئی غلطی ان افراد کی ہے جنھوں نے اس نظریہ کو اپنا کر پسندی سے کان لیا۔ورنہ یہ نظریہ حدّ اعتدال میں ہے اور خاصا وقیع ہے۔

اس کے تاریخی نظریئے سے چند دانشوروں نے اختلاف بھی کیا ہے

امریکی نقاد گرینول ہکس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ادیب اپنے عہد کا ہوتے ہوئے بھی آنے والے زمانے کے لئے بھی کچھ چیزیں پیش کرتا ہے، اس نے ادب کے لئے تاریخی مطالعے کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اردو ادب میں اس طرح کے تنقیدی جائزے کی مثال ''آب حیات'' ہے یہ ادب کے تاریخی نقطۂ نظر سے مطالعے کے لئے تحریر کی گئی ہے۔مناظر عاشق ہرگانوی نے لکھا کہ آزاد نے شعوری کوشش کی ہے کہ شعری تخلیقات۔سوانح حیات سے مربوط ہیں۔حالی کی تصنیف ''یادگار غالب'' میں بھی تنقید کا اسلوب اسی انداز کا ہے۔غا

لبؔ کے کلام کے جائزہ کی خاطر اس کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے زندگی کے واقعات کی حتی الامکان تلاش کی گئی۔اسی طرح قاسم کا مجموعہ نفر بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے''شعرالعجم''میں شبلی کے اسی اسلوب کوملحوظ رکھا ہے تابت لکھنوی کی تصنیف''حیات دبیر''اس قسن کی تنقید کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

6 تحقیق وتنقید کا رشتہ

تحقیق کی تعریف دانشوروں کے قول کے مطابق اسطرح ہے۔''تحقیق کے لغوی معنی کسی شئے کی حقیقت کا جاننا،مواد کی بازیافت یا مواد کی ترتیب۔''

تحقیق کی روایت زیادہ قدیم نہیں،اردو ادب کے ابتدائی دور میں اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔تذکروں میں البتہ اس کی جھلک نظر آتی ہے۔مثلاً میرؔ کے تذکرے''نکات الشعراء''اور لالہ لچھی نارائن شفیقؔ کے تذکرے''چمنستان شعراء''میں تحقیق سے متعلق کچھ مواد موجود ہے۔

سرسید کے عہد سے باضابطہ طریقے سے اس طرف پیش رفت ہوئی۔اس سے قبل کا کوئی تحقیقی کارنامہ دستیاب نہیں ہوا۔قومی اور ملی شعور کے احساس نے اپنی زبان وادب سے دلچسپی پیدا کی،اوراسی جذبے کے سبب تحقیق کی جانب پیش رفت ہوئی۔حالی،شبلیؔ اور محمد حسین آزاد کا شمار اس دور کے محققین میں کیا جاتا ہے،ان میں محمد حسین آزاد کی دلچسپی زیادہ تر تحقیق سے رہی،انھوں نے بطور خاص لسانی مسائل کو اپنا تحقیقی موضوع بنایا۔محمود شیرانی نے شبلی کی محققانہ حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے۔شعرالعجم کو اردو اور فارسی کی تمام تصانیف میں سب سے بہتر تصنیف بتایا ہے۔

1857ء کے سیاسی حالات،سے سیاسی سماجی پس منظر بھی متاثر ہوا۔اس لیے کچھ عرصے تک تحقیقی دھندلکے میں رہی۔لیکن ماحول کے پر سکون ہوتے ہی نئے۔لکھنے والوں نے بعض مفروضات کی تردید کر کے نئے حقائق سے روشناس کروایا۔مثلاً محمد حسین آزاد نے''ولیؔ''کو اردو ادب کا''باوا آدم''قرار دیا تھا۔لیکن ڈاکٹر زور کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ولی سے بہت پہلے ایک صاحب دیوان شاعر،گولکنڈے کا فرماں روا محمد قلی قطب شاہ گذرا ہے۔اور آج کی تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہی بہمنی عہد کا شاعر نظامیؔ مصنف''کدم راؤ پدم راؤ''اردو زبان کا پہلا شاعر ہے۔اسی طرح برہان الدین جانمؔ جن کی تصنیف''کلمۃ الحقائق''ہے کو پہلا نثر نگار قرار دیا گیا ہے۔ان فن پاروں کے حصول سے اردو ادب کی تاریخ،قدیم عہد میں پہنچ گئی۔

حالیؔ اور شبلی وغیرہ کے بعد تحقیق کی اس روایت کو آگے بڑھانے میں مولوی عبدالحق برج موہن وتاتریہ کیفی،حبیب الرحمان شیروانی پروفیسر حامد حسین قادری پروفیسر محی الدیم قادری اور مسعود حسن رضوی ادیب نے اہم رول ادا کیا ہے۔علاوہ ازیں ں جن کی نگارشات میں تحقیق کی جھلک نظر آتی ہے،ان مین قابل ذکر عبدالماجد عریابادی،اور سلیمان ندوی ہیں۔

آزادی کے بعد تحقیقی مواد میں اضافہ ہوتا گیا۔محققین میں بیش تر ایسے ہیں جو تنقید وتحقیق کو ایک دوسرے کے مساوی سمجھتے ہیں اور تنقیدی شعور کے ساتھ تحقیقی فیصلے کرتے ہیں۔آزادی کے بعد کے محققین میں قاضی عبدالودود، پروفیسر گیان چند جین رشید حسن خان

پروفیسر سیدہ جعفر وغیرہ معتبر نام ہیں۔

تحقیق کی چار اقسام ہیں۔

1 متن کی تحقیق وتدوین

2 شاعر یا مصنف کے سوانحی حالات

3 لسانی حقائق کی کھوج، قدیم زبان، محاورات، عروض ورسم الخط وغیرہ کے تعلق سے معلومات حاصل کرنا

4 معلوم شدہ حقائق یا اصولوں کی نئی انداز میں پیش کش

ان چار موضوعاتِ تحقیق میں سب کا رشتہ تنقید سے نہیں ہے۔لیکن جب معلوم شدہ حقائق اور اصولوں کی تجدید پیش نظر ہو تو یہ کام تنقید کے بغیر ممکن نہیں۔صرف حقائق کی پیش کس تنقید نہیں ان پر غور فکر کے کسی نتیجے کا استنباط کا رن دراصل تحقیقی ہے۔یہاں تنقید اور تحقیق کے ڈانڈے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔اس کے باوجود بعض ناقدین نے دونوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے سے انکار کیا ہے، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے محقق کو ایک معمولی ذہن کا آدمی قرار دے کر اس کے کارنامے کی اہمیت کو گھٹا دیا ہے۔اس کے برعکس انھوں نے نقاد کی کاوشوں کو سراہا ہے

''۔۔۔۔۔۔تحقیق ایک قسم کی منشی گیری ہے اس کے لئے وہ خصوصیات کافی ہیں جو کسی معمولی ذہن کے انسان میں ہوں اس میں جدّت طبع قوت اختراع کی ضرورت نہیں محض ایک کام سے لگ جانا ہے۔اور ٹکے بندھے طریقے پر ایک لکیر پر چلتے رہنا ہے۔پھر اس میں جس قسم کی محنت درکار ہے اس کو اعلی ذہن اور اعلیٰ تخیّل رکھنے والا انسان کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔

پروفیسر شارب ردلوی نے تحقیقی وتنقید کے ایک دوسرے سے ارتباط کے بارے میں بحث کرتے ہوئے۔ان کی اہمیت اور ربط کی نشان دہی کی ہے لکھتے ہیں:۔

اعلی ادبی تحقیق، بلند ترین سطح پر تنقید سے مختلف نہیں رہتی، میں ایسے اعلیٰ درجے کے محقق کا تصور بھی نہیں کرسکتا، جس میں تنقیدی صلا حیت موجود نہ ہو۔۔۔لہذا اعلیٰ ادبی تنقید، تحقیق کی بہترین شکل ہے محقق کو اس اہم حقیقت کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔۔۔ بغیر تنقید کا سہارا لئے ہوئے اعلیٰ تحقیق کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔اس کے باوجود تحقیق اور تنقید ادب کے دو علاحدہ شعبے ہیں

۔

ڈاکٹر سید عبداللہ بھی ڈاکٹر عبادت بریلوی اور پروفیسر شارب ردولوی کے اس نقطۂ نظر سے اتفاق رائے رکھتے ہیں۔کہ تنقید وتحقیق ایک دوسرت سے جدا نہیں، بلکہ دونوں کا باہم ہونا ضروری ہے، انھوں نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ بعض موقعوں پر دونوں مین اشتراک نہیں ہوتا، مثلاً تاثراتی تنقید میں، مصنف کے حالات زندگی وغیرہ کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔وہاں صرف فن پارے کا تاثر اہمیت کا حامل ہوتا ہے جس طرح تاریخی تنقید میں حسن وقبح موضوع بحث نہیں ہوتے

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اردو ادب کے ابتدائی دور کے نقادوں کو پہلے ادیب اور بعد میں نقاد بتلایا ہے۔مولانا آزاد کو مورخ پہلے

اور بعد میں نقاد، شبلی مورخ پہلے بعد میں نقاد، حالی مقدمہ شعروشاعری میں صرف نقاد کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔لیکن حیات سعدی ، یادگار غالبؔ اور حیاتِ جاوید میں راہیں ایک دوسرے کے متوازی نہیں تھیں، تنقید کا نمایاں پہلو تحقیق ہی تھا

7 تبصرہ اور تنقید میں فرق

تبصرہ عربی لفظ ''بصر'' سے مشتق ہے تبصرہ نگاری تنقید ہی کی ایک شاخ ہے لیکن اسے تنقید مکمل نمونہ کہ سکتے ، تنقید کی بہت سی خصوصیات اس میں موجود ہیں۔اس کی بھی ایک فنی حیثیت ہے جو مسلمہ

ہے۔تبصرہ دراصل کسی تصنیف کا ایک تعارف ہے تا کہ قاری کو اس تصنیف کا علم اور واقفیت ہو سکے۔ضروری نہیں کہ جو خصوصیات تنقید کی ہیں، تبصرہ بھی پوری طرح ان سے متصف ہو۔تبصرہ سرسری یا اجمالی انداز میں پڑھنے والے کو متعلقہ تصنیف کے موضوعات سے واقف کرا تا ہے۔تنقید میں اس طرح مختصر بیانی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔

نقاد کے پیش مظر صرف قاری نہیں ہو تا۔تخلیق کار بھی ہوتا ہے۔اس لئے وہ تصنیف کا باضابطہ تجزیہ کر کے تصنیف کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کرتا ہے تا کہ مصنف اپنی غلطیوں کی اصلاح کرے۔مبصر کے فرائض، نقاد سے مختلف ہوتے ہیں۔اس کا مقصود صرف قاری ہوتا ہے۔

تبصرے نگار کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ اس تصنیف میں پیش کیے گئے موضوعات کا ذکر، اس انداز میں کرے کہ لوگ اس کتاب کے پڑھنے کے خواہش مند ہو جائیں

تبصرے میں تنقید کا لازمی تو نہیں قرار دیا گیا ہے۔لیکن تعارف کے سلسلے ہی میں تبصرہ نگار، چند ایسی باتیں تحریر کرتا ہے کہ جو تنقید ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض تبصروں کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ ان میں اور تنقید میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا ویسے ہر تبصرے میں کچھ تنقید کی جھلکیاں نظر آجاتی ہیں۔

اردو ادب میں تبصرہ نگاری کی ابتداء بھی اتفاقاً 1857ء کے بعد ہوئی اور اس کے لکھنے میں حالی نے ہی پہل کی ہے۔انگریزی مبصر بھی تبصرے میں تنقید کو ضروری نہیں سمجھتے۔حالی نے انگریزی سے جزوی واقفیت رکھنے کے باوجود، تبصرے میں ان ہی چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے۔جس کی شرط انگریزی ادب میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔حالی کے تبصرے جو مختلف رسائل کے مطبوعہ ہیں انھیں بعد میں یکجا کر کے'' مقالات حالی'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔حالی نے تبصرے کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

''میرے نزدیک ریویونگاری کا منصب صرف اس بات کا دیکھنا ہے کہ وہ مصنف فرائض جن کا زمانے کا مذاق ہر نئی تصنیف میں اس طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح پیاسا پانی کو۔۔۔۔پس جب ہم کسی کتاب پر ریویو لکھ رہے ہیں۔ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ مصنف کی رائے جزئیات مسائل میں فی نفسی کیسی ہے، کیونکہ اس کا فیصلہ کرنا پبلک کا کام ہے نہ کہ ریویونگار کا۔ بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کتاب کا انداز بیان کیسا ہے ؟ترتیب کیسی ہے؟ طریق استدلال مذاق وقت کے موافق ہے یا نہیں یا جو مصنف نے اپنے ذہن میں ملحوظ رکھی ہے۔''

حالی نے یہاں مختصراً اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صرف چند ضروری امور کا ذکر کیا جائے۔مصنف کی رائے یا اس نقطۂ نظر

تشریح کی ضرورت نہیں۔ کتاب کے اسلوب نگارش، ترتیب اور طریقہ استدلال کے تعلق سے وضاحت کر دی جائے۔ حالی کے تبصرے ان شرائط پر پورے اترتے ہیں۔ حالی کے بعد مہدی افادی نے بھی اس طرز کی تقلید کی اور پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔

پروفیسر حامد حسن قادری سید سلیمان ندوی۔ پنڈت کیفی، پروفیسر محمود شیرانی پروفیسر مسعود حسین رضوی اور مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اس میں گراں بہا اضافہ کیا، ام تمام کا طرز نگارش ایک دوسرت سے مختلف ہے۔ مولوی عبدالحق نے بہ طور خاص اس طرف توجہ کی ہے۔ رسالہ ''اردو'' میں جس کے وہ خود مدیر تھے۔ بے شمار تبصرے شائع ہوئے۔ مولوی عبدالحق کے تبصروں کی خوبی یہ ہے کہ قاری کتاب سے استفادہ کیے بغیر بھی اس کے تعلق سے اپنے تاثرات بیان کر سکتا ہے اور وہ حالی کی طرح مروت سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ بلا پس وپیش اپنے فیصلہ سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ ان کے بعد کی نسل مغربی اثرات کو قبول کرتے ہوئے تبصرے سپرد قلم کرتی ہے۔ ان تبصروں میں تنقید کے مختلف رجحانات کی جھلک نظر آتی ہے۔

ترقی پسند تحریک کے دور میں سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبدالعلیم۔ احتشام حسین اور مجنوں وغیرہ نے جو تبصرے لکھے۔ ان سے مارکسی اور اشتراکی نقطۂ نظر کی ترجمانی کا احساس ہوتا ہے۔

تنقید کی طرح بعض تبصرت معروضی نہیں ہوتے ان میں جانبداری کا احساس ہوتا ہے لیکن سب ہی تبصرے ان نوعیت کے نہیں ہوتے۔ ان میں اکثر بے لاگ بھی ہیں تبصرے روزنامہ ہفتہ وار اور رسائل میں شائع ہوتے ہیں۔ قدیم وجدید رسالوں میں قابل ذکر ہمایوں۔ نیا ادب، ادبی دنیا ادب لطیف جامعہ، معارف نگار، ساقی، شاعر، کتاب نما، آج کل سوغات اور سرکاری ونیم سرکاری رسائل جن کا اجرا مختلف اکادمیوں وغیرہ سے ہوتا ہے ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔

ظ۔ انصاری نے اپنی تصنیف ''کتاب شناسی'' میں جو تبصرہ نگاری کے فن کے تعلق سے ہے تبصرے کے چار رجحانات کی نشان دہی کی ہے۔ پہلا تحقیقی، دوسرا تنقیدی، تیسرا تعبیری اور چوتھا تکلف برطرف، انھوں نے ان موضوعات کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تبصرے میں تنقیدی تبصرے تذکروں میں آئیڈیالوجی کو ترجیح دے کو اچھے فن یا اس کی خوبیوں کو اجاگر نہ کرنا، تبصرہ نگاری کے اصولوں کے خلاف ہے، تکلف برطرف میں بے تکلفی حد سے متجاوز نہ ہو۔

شمس الرحمان فاروقی نے بھی ''فاروقی کے تبصرے'' نامی کتاب میں تبصروں کے تعلق سے لکھا ہے کہ چند امور بطور خاص پیش نظر رہیں۔ لکھتے ہیں:۔

''تنقیدی مضمون کا مخاطب آج کا قاری بھی ہوتا ہے اور کل کا بھی لہذا اس میں ایسے فیصلے اور رائیں دینے اسے احتراز کیا جاتا ہے، جن کی درستگی (validity) آئندہ زمانے میں مشکوک ہو سکے یا ہو جائے۔ مثلاً ''ضرب کلیم'' پر تنقید لکھنے والا یہ کہ سکتا ہے کہ یہ کتاب ناکام ہے، یہ نہیں کہ سکتا کہ اقبال کی شاعری ناکام ہو گئی۔''

اردو تنقید کے ہمراہ ''تبصرہ نگاری'' کا بھی ارتقائی سفر جاری ہے۔

8 خلاصہ

مختصرطور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اچھے اور برے میں فرق کرنے کا نام تنقید ہے۔تنقید اور شعروادب مین گہرا رشتہ ہے۔پہلے ادب وجود میں آتا ہے پھراسے پرکھنے کے لئے تنقید۔تنقید نگارفن پارے کومختلف زاویوں سے دیکھتا اور پرکھتا ہے وہ فن کار کے ذہن میں اتر نے کی کوشش کرتا ہے اورفن کار کے عہد اور ماحول کا جائزہ لیتا ہے۔اس کے فنی محاسن کا پتہ لگاتا ہے کوئی چیز تشریح طلب ہے تو اسکی تشریح کر تا ہے اس کے بعد اپنا فیصلہ سنا تا ہے وہی تنقید نگار کامیاب ہوتا ہے جس کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ گہرا ہو۔اورسب سے ضروری بات یہ ہے کہ وہ غیر جانب دار ہو۔کھلے دل سے فن پارے کو پرکھنے اور دوٹوک رائے دے۔اردو میں تنقید کی روایت بہت قدیم رہی ہے۔اور مختلف نظریات نے تنقید کے نئے نئے دبستانوں کو جنم دیا ہے۔

9 مشق کے لئے سوالات

۱۔ تنقید کا مفہوم اوراس کے اصول بیان کیجئے۔

۲۔ تنقید کے مختلف دبستانوں کا تعارف پیش کیجئے۔

۳۔ اردو میں تنقید کے ارتقا پر روشنی ڈالئے۔

۴۔ تنقید اور تحقیق کے رشتے کی وضاحت کیجئے۔

10 مزید مطالعہ کے لیے کتابیں

۱۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی۔اردو تنقید کا ارتقاء

۲۔ پروفیسر شارب ردولوی۔جدید اردو تنقید اصول ونظریات

۳۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔اشارات تنقید

۴۔ ڈاکٹر محمد حسن۔ادبیات شناسی

۵۔ پروفیسر عبدالستار دلوی۔ادبی اور لسانی تحقیق اصول اور طریقہ کار

۶۔ پروفیسر شارب ردولوی۔تنقیدی مباحث

۷۔ نورالحسن نقوی۔فن تنقید اور اردو تنقید نگاری

۸۔ پروفیسر شبیہ الحسن۔تحلیل نفسی